Fikr-o-Nasar (Islamabad) 9:8 (1972)

اخلاق اور اسلامی معاشرہ

عبد الرحمن شاہ ولی

(۲)

اب اسلامی اخلاق کے بعض اہم خصائص کا ذکر کرنا ہے جن سے عام اخلاقی مکاتب فکر خالی ہیں۔

اعتدال و توازن

فلاسفہ اسلام عام طور پر افلاطون اور ارسطو کے ساتھ نظریۂ اعتدال اور توسط میں اتفاق کرتے ہیں، جیسا کہ صفحات گزشتہ میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، لیکن وہ افلاطون کی ان باتوں سے ہرگز متفق نہیں کہ اعتدال کے بعد روح کو جسم سے آزاد کرانے کی کوشش کی جائے اور ہر قسم کے لذائذ اور خواہشات کا سختی سے مقابلہ کیا جائے، اس لئے کہ اسلام اس اعتدال اور توازن کو برقرار رکھنے کے حق میں ہے اور انسانی خواہشات کو منظم اور مہذب کرنے کی تلقین کرتا ہے، اس کو مٹانے اور نابود کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ فلاسفہ اسلام اور صوفیا نے اس کو ناجائز ہی نہیں محال قرار دیا ہے، کیونکہ طبیعی قوتوں کو بدلنا یا اس کو ختم کرنا محال ہے، البتہ اس کی تہذیب اور اصلاح اس حد تک کہ وہ عقل اور شرع کی پابند ہو جائے ممکن بھی ہے اور منشائے اسلام کے مطابق بھی۔ اسلام انسانی فطرت یا اس کی طبیعی قوتوں میں سے کسی قوت کے ساتھ ظلم نہیں کرتا بلکہ ہر ایک قوت کو اس کے مناسب مقام میں استعمال کرنا چاہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے انسان میں کوئی بھی ایسی قوت پیدا نہیں کی جو بے فائدہ ہو۔ شہوت، غضب، خواہش مال اور خواہش غذا وغیرہ جیسی طبیعی احتیاجات اور رجحانات انسان

کے فائدہ کے لئے انسان میں پیدا کئے گئے ہیں، لیکن ان خواهشات سے فائدہ تب ہوگا کہ ان کو قانون شرع اور تقاضاے عقل کے مطابق استعمال کیا جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کارخانہ کی بنائی ہوئی مشین کو اس کے بنانے والے کی ہدایت کے مطابق اس کام میں استعمال کرے جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔ اس صورت میں اس کو اس سے یقیناً فائدہ ہوگا۔ لیکن بے محل اور غلط استعمال سے فائدہ کے بجائے نقصان کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح جن میلانات اور طبیعی رجحانات کو خدا نے انسان میں پیدا کیا ہے ان کا محل اور طریق استعمال بھی انبیاء اور عقل سلیم کے ذریعے متعین کر دیا ہے۔ حرام و حلال، جائز اور نا جائز کو جو قرآن نے واضح طور پر بیان کر دیا یہ درحقیقت انسان کے لئے اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کے طریق استعمال کی تعلیم ہے، جس سے نفع اور ضرر کی حد بندی کی گئی ہے۔ اسی لئے تو فرمایا " تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا " یہ خدا کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور فرمایا " و من یتعد حدود اللہ فاولئك هم الظالمون " اور جس نے خدا کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ ظلم کے معنی ہیں کسی شے کو بے محل استعمال کرنا۔ اور جو شخص خدا کے حدود سے تجاوز کرتا ہے تو وہ درحقیقت اپنی فطری خواهشات، قویٰ اور طبعی رجحانات کو بیجا استعمال کرتا ہے۔ یہ تو ہے اسلام کا فلسفۂ اخلاق۔ اس کے بالمقابل افلاطون کی طرف یہ قول منسوب ہے " ان الاجساد اضداد للارواح و انه لن یعمر هذه الا ما اخرب هذه فاسیتوا المیت منها لحیاة الحی " (۱) بے شک اجسام ارواح کی ضد ہیں اور ارواح کو وہی آباد کرے گا جو اجسام کو برباد کرے گا پس ان میں سے سرنے والے کو مار ڈالو تاکہ زندہ کی زندگی برقرار رہے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ افلاطون تعذیب جسم کی تعلیم دیتا ہے اور اس میں روحانی زندگی کا قائل ہے۔ لیکن اسلام اس کو ہرگز جائز نہیں سمجھتا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کو اس کا حق دیتا ہے پورے عدل و انصاف کے

ساتھ۔ ''ولنفسک علیک حق'' تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔ یہ رسول اللہؐ کی حدیث ہے۔

افلاطون کا قول درحقیقت سقراط سے تاثر کا نتیجہ ہے کیونکہ سقراط کہتا ہے : ''من احب لنفسه الحیاة اماتها فان النفس النا طقة انما تحیی بموت النفس الشهوانیه۔ و قال من لم یقهر جسده فجسده قبر له۔ و قال من اذنب بعد العلم فحقیق ان لا یغفر له'' (۲) جو اپنے نفس کے لئے زندگی چاھتا ھے تو چاھئے کہ اس کو مار دے کیونکہ نفس شہوانیہ کی موت ھی سے نفس نا طقہ کو زندگی ملتی ھے۔ اور کہا کہ جس نے اپنے جسم کو مغلوب نہیں کیا تو اس کا جسم اس کی قبر ھے۔ اور کہا کہ جس نے دانستہ طور پر گناہ کیا تو وہ اس لائق ھے کہ نہ بخشا جائے۔ اگرچہ سقراط کی ان تمام باتوں میں اعتدال اور توازن کا فقدان ھے لیکن اس کا یہ آخری جملہ تو اللہ تعالی کی شان رحیمی اور عفو و مغفرت کے سراسر منافی ھے۔ اسلام میں گناہ تو وھی برا فعل یا قول سمجھا جاتا ھے جو کہ دانستہ طور پر، اختیار کے ساتھ کیا جائے۔ رسول اکرمؐ کی حدیث ھے: ''رفع عن امتی الخطأ و النسیان'' میری امت کے لئے خطا اور بھول معاف ھے۔ پھر خدا کی رحمت سے مایوسی از روئے اسلام ھر گناہ سے بڑا گناہ ھے۔ یہی تو فرق تھا آدم اور شیطان میں۔ شیطان خدا کی رحمت سے مایوس ھو کر ازلی بد بخت ھوا۔ لیکن آدم نے رحمت خدا وندی سے پر امید ھونے کی وجہ سے توبہ کی اور اللہ نہ صرف توبہ قبول کرتا ھے بلکہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ھے۔ اسی لئے تو بعض صوفیا کے نزدیک جس عبادت سے دل میں غرور اور تکبر پیدا ھوتا ھو اس سے وہ گناہ ھی اچھا ھے جس سے دل میں ندامت پیدا ھوتی ھو۔ قرآن کا ارشاد ھے ''ان اللہ یحب التوابین'' اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ھے۔ اور توبہ کے متعلق یہ صاف ارشاد ھے: ''قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب

جمیعا ،، کہہ دو اے میرے بندو جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہوں خدا سب گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

افلاطون اور سقراط کی طرح فیثاغورث بھی افراط اور تفریط میں مبتلا ہے۔ اس کا قول ہے : ،، لا ینبغی ان یفعل قلیل الشھوۃ و لا کثیرھا فقیل لم ؟ فقال لان کثیرھا تلف و قلیلھا دناءۃ ،، (۳) شہوت رانی چاہے کم ہو یا زیادہ مناسب نہیں ۔ پوچھا گیا کیوں تو اس نے کہا کہ زیادہ شہوت رانی ہلاکت اور کم دنائت ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل اسلام شہوت کی تہذیب کا قائل ہے تعطیل کا نہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی ضابطہ اخلاق کی اساس توازن اور اعتدال پر ہے۔

خیر اور شر میں تمیز

اخلاق طیبہ کا دارو مدار خیر اور شر میں تمیز ، پھر شر کو چھوڑ کر خیر کو اختیار کرنے پر ہے۔ خیر و شر کی کسوٹی جس سے دونوں میں تمیز ہو اور جس پر تمام افعال کو پرکھا جائے بعض کے نزدیک صرف دین اور بعض کے نزدیک صرف عقل ہے۔ لیکن اعتدال پسند فلاسفۂ اسلام اور محققین کا خیال ہے کہ خیر اور شر کی پہچان کا معیار اگر چہ شریعت ہے لیکن عقل کو اس میں ضرور دخل ہے ، جیسے کہ امام غزالی کے نزدیک خلق حسن کا مدار اس پر ہے کہ شہوات اور خواھشات عقل اور شرع کے تابع (۴) ہوں ۔ امام غزالی نہ تو تعطیل عقل کے قائل ہیں اور نہ اس کے استقلال کے ، کیونکہ ان کی نظر میں دونوں میں ایسا تعلق ہے جیسے کہ دیکھنے کے لئے آنکھ اور سورج میں ہے۔ غزالی فرماتے ہیں ، ،، قد خاب علی القطع و البتات و تعثر باذیال الضلالات من لم یجمع بتالیف الشرع و العقل ھذا الشتات فمثال العقل البصر السلیم عن الآفات و الاذاء و مثال القرآن الشمس المنتشرۃ الضیاء (۵) ،، وہ شخص یقیناً خائب و خاسر ہے اور گمراھیوں کے اتباع میں مبتلا ہے جس نے شریعت اور عقل

دونوں سے اس اضطراب اور اختلاف کا علاج نہ کیا اس لئے کہ عقل کی مثال ایسی نظر کی ہے جو تمام آفات اور اسراض سے سالم ہو اور قرآن کی مثال سورج کی ہے جس کی روشنی پھیلی ہوئی ہو ۔ یعنی انسان اپنی مشکلات کو شریعت اور عقل دونوں کی روشنی میں حل کر سکتا ہے ، صرف ایک پر اکتفا باعث محرومی ہے ۔ اور اسی وجہ سے غزالی نے کہا ہے ، '' الداعی الی محض التقلید مع عزل العقل بالکلیہ جاهل و المکتفی بمجرد العقل عن انوار القرآن و السنہ مغرور '' (٦) ۔ تقلید محض کی طرف دعوت دینے والا اور عقل بالکل ایک طرف رکھنے والا جاہل ہے اور انوار قرآن و سنت سے بے پروا ہو کر صرف عقل پر اکتفا کرنے والا دھوکے میں ہے ۔ عام سنجیدہ اسلامی مفکرین ہمیشہ غزالی کے اس خیال سے متفق رہے ہیں اور یہی صحیح مسلک ہے ، اس لئے کہ اگر صرف عقل ہی خیر و شر کی پہچان کے لئے کافی ہوتی تو بعثت انبیاء کی ضرورت ہرگز نہ ہوتی ۔ پھر قرآن خود اس صحیح رائے کا مؤید ہے ۔ و عسیٰ ان تکرھوا شئیاً و ھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیاً و ھو شر لکم '' بسا اوقات تم ایک چیز کو برا سمجھو گے اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو گی اور بسا اوقات ایک چیز کو تم اچھا سمجھو گے مگر وہ تمہارے لئے بری ہوگی ۔ تعطیل عقل کو امام غزالی اور اور دیگر مفکرین اسلام کا جہالت کہنا اس لئے درست ہے کہ دین اسلام کا مدار ایمان باللہ اور توحید پر ہے اور اس پر قرآن نے بہت سے عقلی دلائل پیش کئے ہیں ، جس سے عقل کی اہمیت ثابت ہوتی ہے ۔ اسی طرح قرآن غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور مسلمانوں کی یہ خصوصیت بیان کرتا ہے ، '' و یتفکرون فی خلق السموات والارض '' اور وہ غور و فکر کرتے ہیں زمین اور آسمانوں کی خلقت میں ۔ اس موضوع پر زیادہ بحث کی ضرورت اس لئے نہیں کہ عقل کی اہمیت قرآن و حدیث سے بالکل واضح ہے اور اس پر فلاسفہ اسلام نے بہت سے مباحث قلم بند کئے ہیں جیسے کہ اخوان الصفا ، ابن مسکویہ ، کندی ، فخرالدین الرازی وغیرہ ۔ اخوان الصفا کا خیال ہے کہ خیر و شر کی پہچان کی کسوٹی

عقل اور شرع دونوں ہیں اور وہ ایک دوسرے کی سوید ہیں۔ بہر حال یہ اسلام کے تصور اخلاق کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے عقل محض کے پرستار اور جمود و رہبانیت کے داعی مذاہب بالکل خالی ہیں۔

اسلامی اخلاق کا معاشرے سے تعلق

اسلام تجرد اور رہبانیت کی اجازت نہیں دیتا ۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے "لا رہبانیۃ فی الاسلام" اسلام میں ترک دنیا کی اجازت نہیں۔ اسلام میں بیشتر عبادات کا تعلق بھی معاشرہ سے ہے جیسے زکاۃ ، نماز ، حج ، جہاد روزہ وغیرہ مختلف وجوہ کی بنا پر اجتماعی زندگی سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی مفکر عزلت نشینی سے بہت متنفر تھے۔ مثلاً ابن مسکویہ عزلت کی زندگی سے اس لئے نفرت کرتے تھے کہ ان کی نظر میں رہبانیت اور گوشہ نشینی کی زندگی میں کسب کمال اور خیر تک رسائی ممکن نہیں، کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور اکیلا رہ کر باکمال ہونا تو درکنار صرف زندہ بھی نہیں رہ سکتا ، اس لئے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کے تعاون کا محتاج ہے۔ "فمن العدل اذن ان نعین الناس بانفسنا کما اعانونا و نبذل لھم عوض ما بذلوالنا" (۷) پس عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھی لوگوں کی مدد کریں جس طرح کہ انہوں نے ہماری مدد کی اور بدلے میں ہم بھی ان پر کچھ صرف کریں ۔ اس سے ابن مسکویہ کی نظر میں معاشرہ سے اخلاق کے تعلق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

رسول اکرم صلعم کی حدیث ہے: "تخلقوا باخلاق اللہ" اپنے اندر الہی اخلاق پیدا کرو۔ اسی لئے تو اسلامی اخلاق کے قواعد ایک مسلمان کو اپنے اندر بعض خدائی صفات پیدا کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ اس مسئلے میں غزالی ، رازی ، اصفہانی وغیرہ سب ہم خیال ہیں اور اقبال نے بھی مندرجہ ذیل شعر سے ان کی تائید کی ہے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت ‌ ‌ ‌ ‌ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

خدا کی صفات سے متصف ہونا ایک مسلمان کا مقصد حیات اور اس کی دینی جدو جہد کی اصل غایت ہے۔ ریاضت ، عبادت اور دیگر دینی شعائر انسان کے لئے خصال الہیہ تک پہنچنے اور اپنانے کے وسائل ہیں۔ اسی لئے یہ سب قرب الہی کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح ہر وہ عمل جو انسان کو اس مقصد عظیم کے حاصل کرنے میں مدد دیگا وہ عبادت سمجھا جائے گا۔

اس اصول کو تسلیم کرنے کے بعد ہم پر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ خدا کی بعض صفات ایسی ہیں جن سے بغیر مال و دولت اور طاقت و حکومت کے کماحقه متصف ہونا ناممکن ہے۔ خدا کی صفات میں سے ایک صفت کرم و سخا ہے۔ اللہ تعالی کی اس صفت کا قرآن کریم میں بار بار ذکر آتا ہے۔ اس طرح قرآن اور حدیث دونوں میں انسان کو بذل و عطا اور جود و کرم کی ترغیب دی گئی ہے۔ خلق کرم اگرچہ بغیر مال و دولت کے پایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ خلق جذبہ بذل و عطا کا نام ہے خرچ کرنے کا نام نہیں، اسی لئے تو ایک عربی شاعر کہتا ہے:

" اللہ یعلم و الایام تعرفنا ‌ ‌ ‌ ‌ انا کرام و لکنا مفالیس "

(اللہ جانتا ہے اور زمانہ ہم کو پہچانتا ہے کہ ہم سخی ہیں مگر ہمارے ہاتھ خالی ہیں) لیکن خلق سخا کو بطریق کمال تب ہی اپنایا جا سکتا ہے جب کہ بلاتکلف کسی لالچ اور ذاتی مفاد کے بغیر خرچ بھی کیا جائے۔ اسی وجہ سے کسب مال ایک مسلمان کے لئے عبادت ہے بشرطیکہ اسلامی قواعد شرع اور ضوابط اخلاق کے مطابق ہو۔ رسول اکرم کی حدیث ہے " نعم المال الصالح للرجل الصالح "۔ اچھا مال ایک اچھے انسان کے لئے بہتر ہے۔ اور آپ نے رزق حلال تلاش کرنے کے متعلق فرمایا " اطلبوا الرزق فی خبایا الارض " اندرون زمین رزق کی تلاش کرو۔ اور قرآن نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے،

" و اذا قضیت الصلوۃ فانتشرو فی الارض و ابتغوا من فضل اللہ " اور جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل کو تلاش کرو۔ پھر مسلمانوں کے متعلق قرآن نے فرمایا ہے، " رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ " ایسے مرد ہیں جن کو تجارت اور بیع و شرا خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ مطلب یہ ہوا کہ مسلمان مہذب طریقے سے کام تو کرتا ہے لیکن دل اس کا خدا کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ یہ نہیں فرمایا کہ مسلمان سرے سے کام ہی نہیں کرتا۔

بہر حال مندرجہ بالا نصوص سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کرم جیسی صفت کا اسلامی معاشرہ سے گہرا تعلق ہے۔ رہبانیت اور تفرد کی زندگی سے یہ خلق کبھی بھی بطریق کمال حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ کسب مال، پھر اس کا صرف کرنا، معاشرہ کے بغیر نا ممکن ہے۔ اسی طرح صفات خداوندی میں سے قہاریت، عدالت، عفو و درگذر، منافقین اور کافروں کو سزا دینا بھی ہے۔ لیکن یہ صفات بغیر طاقت اور حکومت کے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اللہ نے مسلمانوں کی توصیف یوں فرمائی ہے:

" محمد رسول اللہ و الذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم " محمد اللہ کے رسول اور اس کے ساتھی، کافروں پر سخت اور آپس میں نرم‌دل ہیں۔ یہ ہے اصل اسلامی سو سائٹی کا نقشہ جو بغیر طاقت اور حکومت کے قائم نہیں ہوسکتی۔ تارک الدنیا اور رہبانیت کی زندگی گذارنے والے نہ تو صفت عفو سے متصف ہوسکتے ہیں اور نہ صفت قہاریت اور عدالت سے، کیونکہ عفو و درگذر اور حلم اس کو کہا جاتا ہے کہ قدرت اور طاقت ہوتے ہوئے کسی کو معاف کر دیا جائے۔ قدرت نہ ہونے کی صورت میں درگذر کرنے کا نام، اضطرار اور مجبوری ہے، عفو اور حلم نہیں۔ بعض مفکرین اسلام کا خیال ہے کہ حکومت تربیت اخلاق کا اعلی ترین ذریعہ ہے۔ بعض اوصاف صرف حکومت کے ذریعہ درجۂ

کمال تک پہنچتے ہیں ، چاہے وہ اچھے صفات ہوں یا برے۔ مثلاً تکبر جو کہ ایک بدترین خصلت ہے یہ صرف حکوست ہی کے ذریعہ انتہا کو پہنچ سکتی ہے۔ اگر حکوست کے ذریعے اس کو پروان چڑھنے کا موقع مل جائے تو انسان خدائی کا دعوی کرنے لگتا ہے۔ فرعون نے خدائی کا دعوی کیا تو اس کی تہ میں یہی نشہ اقتدار کار فرما تھا ۔ قرآن مجید نے فرعون کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں ’’ الیس لی ملک مصر ‘‘ کیا میرے پاس مصر کی بادشاہت نہیں۔ خدائی کا دعوی کسی مسکین اور عاجز سے ممکن نہیں۔ اسی طرح قہر اور غلبہ اور عفو اور حلم بھی اسی حکوست اور سلطنت سے کمال تک پہنچتے ہیں ۔ یہی وجہ تھی کہ سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے دعا مانگتے ہوئے فرمایا ۔ ’’ رب اغفرلی و ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب ‘‘ (۸) میرے رب مجھ کو بخشش دے اور مجھ کو ایسی بادشاہت عنایت فرما ، کہ میرے بعد کوئی دوسرا جس کے قابل نہ ہو ، بے شک تو دینے والا ہے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام پر خدا نے اپنے انعام کا یوں اعلان فرمایا : ’’ انی جاعل فی الارض خلیفہ ‘‘ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں ۔ خدا نے آدم کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اسے علم دیا ہے یا نبی بنایا ہے بلکہ فرمایا کہ میں نے اسے زمین میں خلیفہ بنایا ، اس لئے کہ خلافت کے ضمن میں علم اور نبوت خود بخود آجاتے ہیں ۔ ان دونوں کے بغیر حکوست اور خلافت ناقص رہتی ہے۔ اسی طرح خدا نے داؤد علیہ السلام کو بھی مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

’’ انا جعلناک خلیفہ فی الارض ‘‘ ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے ۔ بہر حال اسلام کی نظر میں مال و دولت اور حکوست و سلطنت کے علاوہ ہر قسم کی طاقت اور قوت اس لئے بڑی نعمت ہے کہ یہ اخلاق فاضلہ کی تکمیل کے وسائل ہیں ۔ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو قوت و طاقت کی فراھمی کا حکم دیا ہے ’’ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ‘‘ اور ان کے لئے حتی المقدور قوت پیدا کرو ۔ اور رسول اکرم کی حدیث ہے ، ’’ المؤمن القوی خیر من المؤمن

الضعیف‘‘ قوی مؤمن ضعیف مومن سے بہتر ہے۔ اور فرمایا ، ’’ الید العلیا خیر من الید السفلی‘‘ دست بالا دست زیریں سے بہتر ہے۔ ان سب باتوں سے اسلامی اخلاق کے ساتھ معاشرے کے تعلق کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مساوات

مساوات سے یہاں ہماری مراد یہ ہے کہ ایک فعل کی جزا و سزا صرف اس لئے متفاوت نہیں ہو سکتی کہ اس کے کرنے والے کا تعلق کسی خاص طبقے ، قوم یا گروہ سے ہے ، بلکہ معاشرے کے تمام افراد کا قول و فعل ، جزا و سزا کے لحاظ سے برابر ہے ، تفاوت اگر ہوگا تو حالت اور نیت کے لحاظ سے ہو سکتا ہے ، کسی کی برتری یا کمتری سے اس میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا ۔ جس طرح قانون شریعت کے سامنے تمام مسلمان یکساں حیثیت رکھتے ہیں، اسی طرح قانون اخلاق کے سامنے سب برابر ہیں ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا فرمان ہے ’’ الناس سواسیۃ کاسنان المشط‘‘ لوگ کنگھی کے دانتوں کی طرح برابر ہیں ۔ اس مساوات کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ عمل کی میزان میں سب برابر ہیں ، ذات قومیت وغیرہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ تحریف تورات کے بعد یہود کا طبقاتی نظام رسول اکرمؐ کی نظر میں بہت ہی مکروہ تھا اور اسی وجہ سے آپ نے امت مسلمہ کو اس امتیازی برتاؤ کی تباہ‌کاریوں سے آگاہ کرتے ہوئے شدت سے منع فرمایا ۔ ایک مشہور واقعہ میں جس کی روایت کتب حدیث میں ملتی ہے آپ نے فرمایا ’’ واللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت اقطعت یدھا‘‘ خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ رضؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں ہر فرد کا عمل ، چاہے اس کا تعلق کسی بھی گروہ یا قوم سے ہو ایک ہی ترازو سے تولا جاتا ہے۔ قرآن کا یہ صاف اور واضح ارشاد ہے ’’ ولا تبخسوا الناس اشیاءھم‘‘ لوگوں کی

چیزوں کو کم نہ کرو ، یعنی ہر شخص کو بلا امتیاز اس کا پورا حق، ملنا چاھئے ، چاھے اس کے عمل کا تعلق قانون شرع سے ھو یا قانون اخلاق سے ھو۔ اسی طرح قرآن کا یہ ارشاد '' وزنوا بالقسطاس المستقیم '' صحیح ترازو سے تولا کرو، بھی عام ھے اور ان تمام افعال کو شامل ھے جن کا تعلق شریعت یا اخلاق سے ھو۔

یونان اور ھندوستان کے طبقاتی نظام کی بھی اسلام میں گنجائش اس لئے نہیں کہ اسلام تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دیتا ھے۔ ان میں فرق اگر ھو سکتا ھے تو صرف عمل خیر یا شر سے ھو سکتا ھے : '' انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم'' ھم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر صرف تعارف کے لئے تم کو مختلف شعوب اور قبائل میں بانٹا ھے بیشک تم میں سے خدا کے ھاں معزز وھی ھے جو زیادہ باعمل اور پرھیزگار ھے۔ رسول اکرم ص کی حدیث ھے '' لافضل لعربی علی عجمی الا بالتقوی '' یعنی عرب اور عجم میں نسلی اور قومی لحاظ سے کوئی فرق نہیں ، ان کی ایک دوسرے پر برتری صرف تقوی سے ھو سکتی ھے۔ مذکورہ آیات و حدیث سے مساوات کا ایجابی اور اثباتی پہلو واضح ھوتا ھے۔ بہت سی دوسری آیات اور احادیث ھیں جن سے اس موضوع پر استدلال کیا جا سکتا ھے۔ اسلام نے اس کے منفی پہلو کو واضح کرتے ھوئے ھر اس چیز کو بہت سختی کے ساتھ رد کیا ھے جس سے مبدء مساوات کو نقصان پہنچتا ھو۔ اسی لئے علو اور تکبر کی تمام شکلوں کی سخت مذمت کی گئی ھے۔ مسلمانوں کی توصیف میں قرآن کا یہ ارشاد ھے '' الذین لایریدون علوا فی الارض و لا فسادا'' وہ لوگ جو زمین میں برتری اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے ۔ اس کا صاف مطلب یہ ھے کہ ایک مخلص مسلمان علو، تکبر اور فساد کا ارادہ بھی نہیں کر سکتا ۔ قرآن بار بار یہ واضح کرتا ھے کہ اللہ کو تکبر کرنے والے پسند نہیں ۔ بہرحال

اسلام میں ہندوستان کے برہمن اور اچھوت کا فرق ہے نہ یہود کے شریف اور وضیع کا امتیاز نہ افلاطون کی طرح یونانی اور غیر یونانی کا سوال ۔

احســـــان

اللہ کا حکم ہے ، '' ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان '' خدا عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے ۔ عدل کا معنی تو واضح ہے کہ ہر ذی حق کو اس کا حق دیا جائے اور ہر چیز کو اس کے مناسب محل میں استعمال کیا جائے ۔ اس کا نقیض ظلم ہے یعنی کسی شے کو اس کے غیر مناسب محل میں استعمال کرنا ، جس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ کسی چیز کو اس کا حق نہ دیا جائے ۔ رہا احسان کا معنی تو اس میں مختلف اقوال علماء کے یہاں ملتے ہیں ۔ لیکن رسول اکرم ﷺ نے احسان کا معنی یوں بیان فرمایا ہے ، '' ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك '' کہ تم خدا کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر کم از کم ذہن میں یہ حاضر ہو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے ۔ احسان کا معنی یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ عدل تو ذی حق کو اس کا پورا حق دینے کا نام ہے لیکن احسان یہ ہے کہ حق سے زیادہ دیا جائے ۔ اسی طرح احسان کا معنی اتقان عمل یا اخلاص فی العمل بھی لینا درست ہے اور اس سے پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے ۔ احسان کے متعلق خدا نے قرآن کریم میں مختلف مواقع پر حکم دیا ہے '' و قضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا '' تیرے رب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو ۔ اللہ تعالی نے محسنین کے حق میں اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے اور ان کے اجر کو ضائع نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے ، '' ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین '' اللہ اخلاص اور اتقان سے عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۔

بہر حال جس طرح عدل حدود شریعت اور قانون اسلام کے دائرے میں

داخل ہے اسی طرح احسان اخلاق کے دائرہ میں آتا ہے۔ اگر کسی کا دوسرے پر ایک سو روپیہ قرض ہے تو قانون شریعت اس کو پورا قرض ادا کرنے پر مجبور کرے گا۔ لیکن اخلاق اس کو قرض سے کچھ زیادہ دینے کی ترغیب دے گا۔ اگر کسی کا دوسرے پر کوئی حق ہے تو از روئے شریعت وہ اپنا حق یا قصاص لینے کا مجاز ہوگا لیکن اخلاق اس کو عفو و درگذر کی تلقین کرے گا۔ خدا کا واضح ارشاد ہے، ”و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به و لئن صبرتم فهو خير للصابرين “ اگر تم کسی کو سزا دو تو اتنی ہی دو جتنی کہ تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہو اور اگر صبر سے کام لو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔ اس آیت میں خداوند کریم نے قانونی طرز عمل اور اخلاقی برتاؤ دونوں کو واضح کر دیا ہے، اس دوسرے طریقے کا نام احسان ہوگا، جس کو اسلام میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ لیکن اسلام صرف احسان کی تلقین پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ احسان کرنے کے وقت اور احسان کرنے کے بعد اس شخص کے احساس اور شعور کا بھی لحاظ رکھتا ہے جس کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے۔ قرآن میں خداوند کریم کا یہ ارشاد ہے: ”لا تبطلوا صدقاتكم بالمن و الاذى “ اپنے صدقات کو احسان جتانے اور اذیت پہنچانے سے ضائع نہ کرو، یعنی کسی کے ساتھ کوئی نیکی کر کے پھر اس کو جتانا اور شرمندہ کر کے اس کو اذیت پہنچانا اس نیکی کو ضائع کرنے کا مرادف ہے۔ اسی طرح قرآن کا ارشاد ہے ”قول معروف و مغفرة خير من صدقة يتبعها اذى “ نیک بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد اذیت پہنچائی جائے۔ اسی طرح قرآن اور احادیث نبویہ اور سیرت مصطفویہ میں احسان کی تلقین اور دوسرے کے احساس کا لحاظ رکھنے کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ اگر کسی معاشرہ میں عدل و احسان کے ساتھ دوسرے کے جذبات و احساسات کا لحاظ بھی ہو تو اس سے بڑھ کر انسانیت کے لئے سعادت اور کیا ہوسکتی ہے۔

موجودہ وقت میں انسانیت کا اضطراب اور پریشانی اور گونا گوں بےچینیاں

اخلاق فاضلہ کے فقدان کا نتیجہ ھیں۔ اگر انسانیت اسلامی اخلاق کو اپنا لے تو اس سے اس کے تمام مہلک امراض کا مکمل علاج ھوسکتا ھے۔ معاشرتی علوم کے ماھرین کا بھی یہی خیال ھے کہ تمام اجتماعی امراض کی جڑ اس دین سماوی سے روگردانی ھے جو انسان اور خدا میں گہرا رابطہ اور قوی تعلق پیدا کر کے انسان کی بصیرت میں اضافہ کرتا ھے، اور جس کے بغیر انسان محض حیوان رہ جاتا ھے، بلکہ اس سے بھی بد تر (۹)۔ قرآن نے بھی بے دین اور بد اخلاق انسانوں کے متعلق کہا ھے، ''اولئک کالانعام بل ھم اضل'' یہ وہ لوگ ھیں جوکہ حیوانات کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ھیں۔ عمرانیات کے ماھر موجودہ وقت میں اخلاق کی ضرورت اس لئے زیادہ محسوس کرتے ھیں کہ انسان کے ھاتھ میں جدید علمی انکشافات کی وجہ سے زبردست طاقت آچکی ھے اور اس کے باوجود اس کی تمام تر توجہ مزید سائنسی انکشافات کی طرف ھے۔ عام طور سے انسان تہذیب اخلاق اور اصلاح باطن سے بے پروا ھوچکا ھے۔ اس وقت اس کی مثال اس بچے کی سی ھے جس کو کھیلنے کے لئے دھماکے والی چیزیں دے دی جائیں۔ اس قسم کے انسان کو سائنس کی جدید طاقتوں سے فائدہ اٹھانے کا حق اس لئے نہیں کہ وہ ان قوتوں کو محض لہو و لعب اور ابنائے جنس کو فنا کرنے کے لئے استعمال کرتا ھے۔ اگر انسان کو جدید علوم سے فائدہ حاصل کرنے کا اھل بنانا مقصود ھو اور جدید سو سائٹی کی اصلاح مد نظر ھو تو اس کے لئے دین فطرت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، جو کہ عدل اور احسان کے ساتھ دوسروں کے جذبات کا بھی لحاظ رکھتا ھے اور پڑوسی کے احترام کی تلقین کرتا ھے۔ چینی حکیم کنفیوشس کا قول ھے کہ دوسروں کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ھو۔ بہت سے سنجیدہ مفکرین یورپ اس کے اس قول کو ناموس انبیاء کا درجہ دے کر معاشرتی اصلاحات کا سنگ بنیاد قرار دیتے ھیں۔ لیکن اگر ان کو اسلامی تعلیمات کی خبر ھوتی، یا اسلام کے خلاف ان کو تعصب نہ ھوتا تو یقیناً ان پر روز روشن کی طرح عیاں ھوتا کہ اسلام نہ

صرف تعامل بالمثل کی تلقین کرتا ہے بلکہ ایثار، احسان، عفو اور اعراض کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کے بغور مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام تعامل بالمثل کو کتنا ضروری قرار دیتا ہے۔ "ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون و اذا کالوھم او وزنوھم یخسرون" خرابی ہے کمی کرنے والوں کے لئے جو لوگوں سے تو پورا ناپ کر لیتے ہیں لیکن جب ناپ تول کر انہیں دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اسلام کسی کے حق میں کمی کو جائز نہیں سمجھتا اور انسانوں کو یہ احساس دلاتا ہے کہ جس طرح تم اپنے حق میں کمی کو ناگوار سمجھتے ہو اسی طرح دوسروں کے لئے بھی نا مناسب سمجھنا چاہئے۔ کسی کے حق میں کمی کرنا، چاہے وہ مادی ہو یا معنوی، اسلام میں از روئے اخلاق جرم ہے۔ اسی طرح کسی کے قابل ستائش عمل کو اپنی طرف منسوب کرنا بھی کافرانہ خصلت ہے۔ قرآن نے اس کی مذمت میں یوں ارشاد فرمایا ہے "و یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا" وہ چاہتے ہیں کہ ایسے کام میں ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے کیا نہیں۔ اسی طرح اسلام نے یتیم پر ظلم کو جرم قرار دیتے ہوئے انسان کو یہ احساس دلایا ہے کہ اگر وہ خود مر جائے اور اپنی اولاد کو یتیم چھوڑ جائے تو ان پر ظلم کے متعلق اس کا رد عمل کیا ہوگا؟: "فلیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا خافوا علیھم فلیتقوا اللہ" ان کو بچنا چاہئے اگر وہ کمزور بچے اپنے پیچھے چھوڑ جائیں تو انہیں ان کی فکر ہوگی پس ان کو خدا سے ڈرنا چاہئے۔ اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ جس طرح کا برتاؤ تم اپنے بچوں کے لئے پسند کرو وہی دوسروں کے یتیم بچوں کے لئے بھی پسند کرو۔ ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، "اتق اللہ تکن اعبد الناس و ارض بما قسم اللہ لک تکن اغنی الناس و احسن الی جارک تکن مؤمنا و احب للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما" خدا سے ڈرو سب سے زیادہ عبادت گذار ہو جاؤ گے اور اپنے مقسوم پر راضی ہو جاؤ تو سب

سے زیادہ غنی ہوگے اور پڑوسی کے ساتھ احسان کرو تو مومن ہوگے لوگوں کے لئے وہ پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تو مسلمان ہوگے۔ اسی طرح بخاری کی روایت ہے ، "لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه" تم میں سے کوئی مومن ہو نہیں سکتا جب تک کہ پسند نہ کرے اپنے بھائی کے لئے جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

بہر حال ما سبق سے یہ واضح ہوا کہ کنفیوشس کی تعلیم تعامل بالمثل اور احترام ہمسایہ اسلام میں زیادہ خوش اسلوبی توازن اور کمال کے ساتھ موجود ہے اور صرف اسی سے پراگندہ انسانیت کی شیرازہ بندی ہوسکتی ہے۔

حواشی

(۱) السعادة و الاسعاد ص ۸۴ تالیف ابی الحسن النیسابوری

(۲) مصدر سابق ص ۸۵

(۳) السعادة و الاسعاد ص ۸۵

(۴) احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۵۹

(۵) معارج القدس ص ۵۹

(۶) الاقتصاد فی الاعتقاد ۔ ص ۳

(۷) الفوز الاصغر ص ۶۴

(۸) سورہ ص

(۹) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: آفات اجتماعیہ ۔ تالیف ٹالسٹائی